مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی لکھنویؒ

جناب مولوی عبدالحی صاحب فاروقی ایم اے

لکھنؤ کی سرزمین زبان وادب اور تہذیب وتمدن کا ہمیشہ سے گہوارہ رہی ہے، شاہانِ اودھ کی فیاضانہ سرپرستیوں اور داد ودہش کے نتیجہ میں لیلائے شعروسخن کے گیسو بہت سنوارے گئے اور چنگ ورباب کی صداؤں میں نا ونوش کی محفلیں خوب خوب آراستہ وپیراستہ کی گئیں۔ عوام تو عوام ہیں خواص کا بھی ایک بڑا طبقہ عیش پسندی اور تن آسانی میں مبتلا تھا، ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ معاشرے میں دین سے غفلت اور بے حسی وبے تعلقی کی وبا پوری طرح پھیلی ہوئی تھی، مسجدیں عموماً خالی اور کم آباد رہتی تھیں کہ نمازی نہ تھے اور نماز کا اہتمام نہ تھا، محلہ کے کچھ بوڑھے اور ازکار رفتہ لوگ "عاقبت سنوارنے" کے خیال سے مسجدوں میں آجایا کرتے تھے ورنہ بس۔

یہی حال مدرسوں اور خانقاہوں کا بھی تھا، علمارحق اور خاصانِ خدا ضرور وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے مگر ان کا دائرہ کار تذکیۂ نفس اور اصلاح باطن کی سرگرمیاں ایک مخصوص حلقہ تک ہی محدود رہیں اور عوام تک نہ پہونچ سکیں۔ دینی امور سے غفلت اور لاپرواہی کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہاں خاص طور سے اس دور کے سیاسی حالات کا زیادہ دخل تھا، ایک مذہبی مورخ کے لئے اودھ کی تاریخ کا یہ دور کچھ خوش کن نہیں ہے۔

علمار کے طبقہ میں ایک سے ایک صاحبِ علم وفضل اور اپنے فن میں یکتائے روزگار نظر آئے گا، ان میں محدث ومفسر بھی تھے اور صاحبِ تصنیف وتالیف بزرگ بھی تھے، یہاں

تک کہ درس نظامی کے مرتب ملا نظام الدینؒ (م ۱۱۶۱ھ) بھی اسی خاک سے تعلق رکھتے تھے۔ اب اخیر دور میں علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ (م ۱۳۰۴ھ) کی ذات گرامی ایسی پیدا ہوئی جس نے اپنی علمی و دینی خدمات سے عوام و خواص اور بالخصوص اپنے شاگردوں میں ایک نئی روح پھونک دی، علامہ موصوف نے دینی بیداری پیدا کرنے کے لئے انتھک محنت و کاوش کی، درجنوں کتابیں، رسالے اور حواشی تحریر فرمائے اور یہ یقین کامل تھا کہ اگر علامہؒ کی عمر وفا کرتی تو ضرور خواص اور اہل علم کے علاوہ عوام میں بھی پیغام رشد و ہدایت پہونچتا مگر افسوس! انھوں نے عمر بہت کم پائی اور کل چالیس سال کی مدت حیات پاکر یہ آفتاب علم و عمل غروب ہوگیا مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے پیچھے بعض ایسے شاگرد چھوڑ گئے جن سے علم دین اور عام مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا جن میں سے ایک مخصوص شاگرد اور ان کے صحیح علمی جانشین مولانا عین القضاۃ صاحب حیدرآبادیؒ تھے جن کے بارے میں ہم اس وقت کچھ لکھیں گے۔ آپ نے لکھنؤ میں مستقل قیام فرما کے وہاں مسندِ درس و تدریس آراستہ کی اور لوگوں کے دلوں میں علوم دینیہ کی طرف رغبت اور شوق پیدا کیا خاص طور سے قرآن مجید اور فن تجوید قراءت کی نشر و اشاعت کے لئے ایک ایسی عظیم درسگاہ قائم کر گئے جس کی بدولت نہ صرف لکھنؤ کے گلی کوچے کلام ربانی سے گونج اٹھے بلکہ ہند و پاک کا ہر چھوٹا بڑا شہر و قصبہ یہاں کے قراء اور حفاظ کی دلنواز اور روح پرور آوازوں سے معمور ہوگیا۔

پیدائش و ابتدائی حالات

مولاناؒ کے آباو اجداد ابتداءً ریاست بیجاپور میں مقیم تھے پھر حیدرآباد آکر سکونت پذیر ہوئے اور آپ وہیں ۱۲۷۵ھ کو چہارشنبہ کے روز پیدا ہوئے[1] آپ کے والد ماجد سید محمد وزیر بن محمد جعفر الحسنی الحنفیؒ صحیح النسب سادات میں سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جاکر ملتا ہے۔ سید محمد وزیرؒ بہت متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور عملیات میں بڑا تجربہ اور معلومات رکھتے تھے، اس فن

---

[1] مصباح المشائخ، مولفہ حکیم ہادی رضا خاں، ماہر ص ۶ مطبوعہ منبع الطب پریس لکھنؤ

میں انھیں بڑی شہرت اور قبولیت حاصل تھی، عوام و خواص ہر وقت آپ سے مستفید ہوتے رہتے تھے، میر افضل الدولہ، نظام الملک آصف جاہ خامس (م۔ ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء) آپ کے بڑے معتقد تھے اور اپنی ولی عہدی کے زمانے میں آپ کے پاس اکثر آیا جایا کرتے تھے، ایک بار حاضر خدمت ہوئے اور دعا کی درخواست کی، سید صاحبؒ نے ان سے فرمایا جاؤ! فلاں دن اور فلاں وقت تم کو حکومت مل جائے گی چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق میر صاحب حکمرانِ سلطنت ہو گئے۔ اس کے صلہ میں سید صاحب کو حکومت نظام کی جانب سے ایک پورا موضع بطور معافی کے نذر کیا گیا مگر ان کی خود دار طبیعت نے اسے قبول نہیں کیا۔

ابھی مولاناؒ کی عمر صرف چار سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا، اس حادثہ نے والد ماجد کو بہت متاثر کیا اور وہ آپ کو لے کر مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں مسلسل گیارہ سال آپ مقیم رہے۔[1]

سید صاحب مرحوم کو مولاناؒ سے بیحد محبت تھی اور ان کی جدائی ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ تھی وہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر مولانا کو کھلاتے تھے، آپ نے قرآن کریم کی تعلیم کے لئے ایک چھوٹا سا مکتب بھی قائم کر لیا تھا اور اس کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بھی لکھنؤ میں خریدا تھا۔ ۱۴ صفر ۱۳۳۱ھ کو آپ کا وصال ہو گیا اور اُسی مکان میں مدفون ہوئے۔[2]

تعلیم و تربیت مولاناؒ کی ابتدائی تعلیم حیدر آباد میں ہوئی، فارسی کی چند کتابیں قاضی محمد اسماعیل مہری سے پڑھیں[3] اس کے بعد جب مزید تعلیم حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا تو اس دور کے مختلف علماء و فضلاء کی طرف نظر دوڑائی گئی مگر نگاہِ انتخاب استاذ الاساتذہ علامہ ابو الحسنات

---

[1] مصباح الشائخ، مولفہ حکیم محمد ہادی رضا خاں ماہر ص۷ مطبوعہ منبع الطب پریس لکھنؤ

[2] مصباح الشائخ، مولفہ حکیم محمد ہادی رضا خاں ماہر ص۸ مطبوعہ منبع الطب پریس لکھنؤ

[3] ماہنامہ النجم لکھنؤ، مرتبہ مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ، جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ[1] پر پڑی ۔ لہٰذا سید صاحب آپ کو لیکر لکھنؤ تشریف لے آئے اور علامہ فرنگی محلیؒ کے حلقہ درس میں داخل کر دیا اس وقت مولانا کی عمر تقریباً پندرہ سال کی تھی، آپ کے علمی ذوق وشوق اور نیکی و دینداری کو دیکھ کر حضرت علامہؒ بیحد محبت وشفقت فرمانے لگے یہاں تک کہ اپنا آبائی مکان جو کہ فرنگی محل کے پل کے سامنے تھا آپ کو رہنے کے لئے دیدیا[2]۔ چند کتب درسیہ حضرت علامہ فرنگی محلیؒ کے بعض منتہی طلباء سے بھی پڑھیں جن میں شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ (م ۱۳۲۲ھ) کا نام قابل ذکر ہے[3]۔ عربی اور فارسی ادب کی بعض کتابیں شمس العلماء

---

[1] مولانا عبدالحی بن مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ ۱۲۶۴ھ کو باندہ میں پیدا ہوئے جملہ کتب درسیہ اپنے والد ماجد ہی سے پڑھیں، کچھ عرصہ تک والد کے ہمراہ حیدرآباد میں مقیم رہے مگر والد کے انتقال کے بعد مستقل لکھنؤ آکر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہوگئے۔ آپ کو شہرت وقبولیت اپنی زندگی ہی میں حاصل ہوگئی تھی، تصنیفات آپ کی نہایت اہم اور قیمتی ہیں جن کی تعداد ۱۰۹ تک پہونچتی ہے اور بقول بعض ۱۱۰ تک ہے، اکثر وبیشتر شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۳۰۴ھ کو لکھنؤ میں صرف چالیس سال کی عمر میں وفات پائی اور باغ مولوی انوار صاحبؒ میں مدفون ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ (تذکرہ علماء فرنگی محل، مولوی عنایت اللہ فرنگی محلی ۱۳۱-۳۲-۳۳)

[2] ماہنامہ النجم لکھنؤ، مرتبہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ، جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

[3] مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے، مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے، استاد کے حکم سے لکھنؤ میں کچھ دنوں درس بھی دیا ہے، صاحب علم وفضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب دل بھی تھے، متعدد تصانیف اور فارسی اشعار کا ذخیرہ چھوڑا ہے ۱۳۲۲ھ کو بحالت سماع انتقال فرمایا اور درگاہ خواجہ اجمیریؒ میں مدفون ہوئے، تفصیل حالات کیلئے ملاحظہ فرمائیں "سوانح حیات شاہ محمد حسین الہ آبادی"، مرتبہ محمد الفاروقی الہ آبادی مطبوعہ مطبع [illegible]

مفتی سید محمد عباس شوستریؒ[1] سے بھی پڑھی تھیں جو اپنے عہد میں ادب کے ممتاز افاضل میں شمار کئے جاتے تھے۔ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد مولانا مرحوم نے مستقل طور پر لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی اور اپنے والد ماجد کے ہمراہ رہنے لگے۔

روزمرہ کی زندگی

مولانا تمام عمر مجرد رہے اور نکاح نہیں کیا اس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرماتے تھے کہ:

"جس عمر میں ضرورت تھی اس عمر میں والد نے نکاح کی طرف
توجہ نہیں کی اور اب اس عمر میں ضرورت باقی نہیں رہی[2]"

آپ اپنے والدین کی تنہا اولاد تھے کوئی بھائی بہن نہ تھا اور نہ کوئی دوسرے رشتہ دار تھے جس کمرہ میں آپ کا قیام رہتا تھا اس میں صرف ٹاٹ کا فرش رہتا تھا، دو کمبل تھے جو اوڑھنے اور بچھانے کے کام آتے تھے، لباس میں کرتہ پائجامہ بیچ گوشیہ ٹوپی اور حیدر آبادی رومال تھا، نہایت سادہ غذا استعمال کرتے، عام طور سے شوربا اور پھلکا آپ کو بہت مرغوب تھا۔[3]

مہماں نوازی اور تواضع میں بے مثال تھے، سال میں چار پانچ مرتبہ دعوت کا اہتمام فرماتے،

---

[1] مفتی محمد عباس بن علی الموسوی کے اجداد میں جعفر بن ابی طالب ہندوستان آئے اور لکھنؤ میں سکونت پذیر ہوئے، یہیں مفتی صاحب ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے آپ کی قابلیت اور درس وتدریس کی بڑی شہرت ہوئی، حکومت اودھ نے "تاج العلماء" اور "افتخار الفضلاء" کے خطابات سے نوازا، پھر شاہی دور ختم ہو جانے کے بعد حکومت برطانیہ نے سب سے پہلے آپ ہی کو "شمس العلماء" کا خطاب عطا کیا۔ ۱۳۰۶ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۹

[2] ماہنامہ النجم لکھنؤ، مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ، جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

[3] قطب دوراں، مولفہ سید اشفاق حسین رضوی ص ۱۳ نامی پریس لکھنؤ

سب سے بڑی دعوت ربیع الاول میں ہوتی جس میں دس بارہ ہزار افراد شریک ہوتے تھے، اس دعوت میں اعلیٰ قسم کا گوشت، منوں چاول اور گھی اور سیروں اصلی زعفران استعمال کی جاتی تھی، اس دسترخوان پر امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہ تھا، لکھنؤ کے باورچیوں کا کہنا ہے کہ ہم نے بڑے سے بڑے رئیس اور نواب کے یہاں بھی ایسا کھانا نہیں پکایا اور نہ کہیں دیکھا و سنا ہے۔

ہر سال حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر لکھنؤ سے ایک قافلہ سرہند روانہ فرماتے تھے، اس قافلہ کے لئے ٹرین کی کئی بوگیاں رزرو کرالی جاتی تھیں، اس قافلہ میں ڈیڑھ سو حفاظ مدرسہ، پندرہ بیس منتظمین، ایک طبیب مع ضروری سامان ادویہ، باورچی، سقہ، چپراسی اور حجام وغیرہ شامل ہوتے تھے، ان کے علاوہ چالیس علماء و مشائخ مزید ہوتے تھے، لکھنؤ سے جو بھی سرہند جاتا وہ مولانا کا ہی مہمان ہوتا تھا، پورا ایک ماہ یہ قافلہ وہاں ٹھہرتا، سرہند میں بھی ایک بار مولانا کی طرف سے دعوت عام کا اہتمام ہوتا تھا، اس طرح سے اس قافلہ کی آمد و روانگی کے کل اخراجات مولانا خود ہی برداشت کرتے تھے جو کہ اُس زمانے میں چھ سات ہزار روپیہ سے کم نہ ہوتا تھا۔ عرس میں شرکت کی یہ روش آج بھی قائم ہے مگر اب تعداد چند افراد پر مشتمل ہوتی ہے جن کا بار مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

انکساری و خاکساری طبیعت میں بہت تھی، ایک بار حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ (م ۱۳۳۹ھ) مولانا کے پاس تشریف لائے آپ استقبال کے لئے زینہ تک آئے اور خود اپنی نشست گاہ پر بٹھانے کی کوشش کی، حضرت شیخ الہندؒ نے انکار فرمایا، مولانا نے فرمایا "یہ فقیر کی کملی ہے اس پر تشریف رکھیں"، شیخ الہندؒ نے فرمایا "بجائے بزرگاں نشستن خطا است" لیکن مولانا کا اصرار جاری رہا مجبوراً شیخ الہندؒ کو بیٹھنا ہی پڑا۔

طریق درس درس کے اوقات صبح اور شام کو تھے، دو سبق صبح کو بعد نماز فجر اور ایک سبق شام کو بعد مغرب ہوتا تھا، آپ کا حلقہ درس اپنے استاد مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا اور کافی شہرت ہو چکی تھی، سلیقہ تعلیم اور طریق درس ایسا عمدہ اور

دلنشین تھا کہ جو شخص ایک کتاب بھی آپ سے سمجھ کر پڑھ لیتا اس میں ایک قسم کی استعداد پیدا ہوجاتی تھی اور چند ہی اسباق میں مطالعہ دیکھنے کا سلیقہ آجاتا تھا۔[1]

بڑے ذوق وشوق سے درس دیا کرتے تھے۔ کتاب کے ہر مقام کو سمجھانے میں لب ولہجہ اور تقریر بالکل علامہ فرنگی محلیؒ کے مشابہ تھی۔ ہر کس وناکس کو داخل درس ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے اگر کوئی طالب علم ناغہ کرتا یا محنت نہ کرتا تو اس کی طرف نظر التفات کم ہوجاتی۔

بیعت وارشاد آپ کو بیعت کا شرف شیخ موسیٰ جی ترکیسری (۱۲۵۴ھ — ۱۳۰۹ھ) سے تھا جو ترکیسر ضلع سورت کے رہنے والے تھے، شیخ موسیٰ جی خلیفہ تھے مولانا نظام الدینؒ (متوفی ۱۲۸۳ھ) کے اور وہ خلیفہ تھے حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ (متوفی ۱۲۴۰ھ) کے جو مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔[2]

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کا قیام اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ مولانا کے والد ماجد نے ایک چھوٹا سا مکتب بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کے لئے قائم کیا اسی مکتب کو بعد میں مولانا نے وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ایک عظیم الشان مدرسہ کی شکل میں تبدیل کردیا اور اس کا نام "مدرسہ عالیہ فرقانیہ" تجویز فرمایا۔ اس مدرسہ میں ملک کے مشہور حفاظ، قراء اور علماء کو مناسب مشاہرہ پر بلاکر ان کی خدمات حاصل کی گئیں جس میں مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ، مولانا سید علی زینبی، قاری محمد نظر امروہوی اور استاد القراء قاری عبدالمالک صاحب کے نام قابل ذکر ہیں، قرآن مجید کی اعلیٰ اور معیاری تعلیم کا انتظام جب مکمل ہوگیا تو مولاناؒ نے مکمل درس نظامی کے درجات بھی قائم فرمائے اور ایک شاندار دار الحدیث بھی تعمیر فرمایا جس کا تاریخی نام

---

[1] ماہنامہ النجم لکھنؤ، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ، جمادی الاول ۱۳۴۲ھ

[2] تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے "کرامات موسویہ" مولفہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی، مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنؤ۔

شاہ غلیبی تجویز کیا۔[۱]

۱۳۳۲ھ
اِس وقت بھی یہ مدرسہ مولانا مرحوم کی ایک جیتی جاگتی یادگار ہے، اس کی وسیع و عریض عمارت لکھنؤ کے وسط شہر میں واقع ہے۔ اس کے متصل ہی مشہور کارخانۂ عطر کی عمارت "حنا بلڈنگ" ہے جہاں سے ہر وقت خوشبویات کی لہریں اٹھا کرتی ہیں، یہاں سے گذرنے والوں کے کان ایک طرف کلام الٰہی کی دلنواز صداؤں سے لذت آشنا ہوتے ہیں تو دوسری طرف عطر حنا اور خس کی بھینی بھینی لہریں مشام جاں کو معطر کرتی رہتی ہیں۔ اس کی صحیح کیفیت کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو ایک بار بھی اس مدرسہ میں آ چکے ہوں۔

مولانا کی حیات میں ہر طالب علم کو دونوں وقت کی خوراک اور ضروری اخراجات کے لئے وظیفہ ملتا تھا اور ہر ایک کو سردی و گرمی کے لحاظ سے کپڑے بھی مہیا کئے جاتے تھے۔ جب کوئی بچہ مولانا کے پاس حاضر ہوتا تو آپ اس سے قرارت کی فرمائش کرتے اور سن کر فرماتے:

"ہم کو یہ آوازیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور یہی
بچے ہمارے قوال ہیں۔"[۲]

اب تک ہزاروں کی تعداد میں حفاظ، قراء اور علماء یہاں سے فارغ ہو کر نکل چکے ہیں اور بلا مبالغہ اس برصغیر کے بیشتر حفاظ و قراء کسی نہ کسی حیثیت سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے نسبت رکھتے ہیں۔[۳]

دست غیب
مولانا مرحوم بہت فیاض اور مخیر تھے، غربا و مساکین، یتیموں و بیواؤں اور سائلین کے ساتھ بڑی داد و دہش فرماتے۔ نہ جانے کتنے افراد کی تو ماہوار تنخواہیں مقرر تھیں جن کو ان کی وفات تک کوئی نہیں جانتا تھا، پھر ساتھ ہی ساتھ اتنے بڑے مدرسہ کے

---

[۱] قطب دوراں، سید اشفاق رضوی ص۹ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔
[۲] مصباح المشائخ، حکیم ہادی رضا خاں ماہر ص۱۵۔
[۳] راقم الحروف کو بھی اس مدرسہ سے طالب علمانہ تعلق رہا ہے۔

اخراجات، سالانہ دعوتیں اور سرہند کے قافلے کے مصارف ان سب پر اتنی کثیر قمیں صرف ہوتی تھیں جن کا تخمینہ لگانا مشکل ہے مگر یہ آمدنی کن ذرائع سے ہوتی تھی اب تک کسی کو علم نہیں۔ مولانا نے کبھی مدرسہ کے لئے یا اور کسی دوسرے کاموں کے لئے کوئی چندہ وغیرہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی ہدیہ بظاہر قبول کیا اسی وجہ سے ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور تھیں۔ چنانچہ ایک موقع پر خود ہی فرمایا کہ:

"ہمارے متعلق لوگوں کا عجب خیال ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہم کیمیا جانتے ہیں، کوئی سمجھتا ہے کہ ہم کو دستِ غیب حاصل ہے، کسی کا خیال ہے کہ ہم تجارت کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ان سب باتوں سے بری ہیں۔ ہم نے اصل کو اس لئے مخفی رکھا ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے گا تو وہ اس کی تخریب کے درپئے ہو جائیں گے۔ اچھا ہوا کہ ہم کو کیمیا نہ آئی ورنہ ہم سب کو بتلا دیتے۔"[1]

ثقہ اور باخبر حضرات کا خیال ہے کہ مولانا کے بعض مخصوص معتقدین تھے جو پوشیدہ طور پر ان کی خدمت کیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

آپ کی تصنیفات مولانا نے وفات سے بہت عرصہ قبل ہی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام موقوف کر دیا تھا اور یک لخت گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی صرف اوقات نماز میں آپ باہر تشریف لاتے اور نماز سے فراغت ہوتے ہی اپنے کمرے میں چلے جاتے اکثر اوقات کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہوتا تھا۔ ابتدائً دوران درس میں آپ نے چند کتب و رسائل تحریر فرما دیئے تھے وہی آپ کی علمی متروکات ہیں، تمام کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن اب نایاب ہیں سوائے چند کتابوں کے جو مدرسہ کے کتب خانے میں اب بھی موجود ہیں باقی بالکل مفقود ہیں۔

---

[1] مصباح الشائخ، حکیم ہادی رضا خاں آہر ص ۲۲

۱۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمت للمیبذی ـــــ ۷۷ ۴ صفحہ کا یہ رسالہ آپ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۳۰۲ھ میں عربی میں تصنیف کیا تھا جو بہت مقبول اور مشہور ہوا۔

۲۔ نخبۃ المعارف فی تحریم الاغنیۃ والمعارف۔ یہ رسالہ بھی عربی زبان میں ہے اس میں غنا کو بہت قوی دلائل وبراہین کے ساتھ حرام ثابت کیا گیا ہے۔ چھپ چکا ہے۔

۳۔ البیان الصائب فی تفسیر علم الغائب ـــــ ۲۴ صفحات پرمشتمل یہ رسالہ بھی عربی میں ہے جس میں مسئلہ غیب پرلاجواب بحث فرمائی ہے اور ہر پہلو سے ثابت کیا ہے کہ علم غیب صرف حق سبحانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مطبع مجتبائی سے شائع ہو چکا ہے۔

۴۔ التحقیق المجتبیٰ فی غیب المصطفیٰ ـــــ یہ رسالہ بھی عربی میں ہے اور اُس استفتیٰ کے جواب میں ہے جس میں آنحضرتؐ کے متعلق دریافت کیا گیا تھا کہ آپؐ کو عالم الغیب کہنا جائز ہے کہ نہیں۔ مولانا نے دلائل شرعیہ سے اس کا عدم جواز ثابت کیا ہے۔ مطبع نامی لکھنؤ سے دوبار شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ ازاحۃ الغیب فی مبحث علم الغیب ـــــ ۱۶ صفحات کا یہ رسالہ مسئلہ علم الغیب سے متعلق ہے اور عربی زبان میں ہے۔ ۱۳۲۶ھ میں جبکہ آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے اس وقت تالیف فرمایا تھا جسے علماء حجاز نے بھی بیحد پسند کیا تھا۔ پھر بعد میں افادۂ عام کے لئے اردو میں ترجمہ کرکے عمدۃ المطابع لکھنؤ سے بھی شائع ہوا۔

۶۔ ابراز المکنون فی مبحث العلم ماکان ومایکون ـــــ یہ رسالہ بھی عربی میں ہے، اس میں مولاناؒ نے محققانہ وعالمانہ طور پر اس عقیدۂ فاسدہ کی پرزور تردید کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم حاصل تھا۔ انداز بیان اور طریق استدلال بے نظیر ہے۔ شائع

ــــہ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۳۹

ہوچکا ہے۔

۷۔ نہایۃ الارشاد الی الاحتفال المیلاد ــــ عربی زبان میں یہ کتاب ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں عقلی اور نقلی دلائل سے محفل میلاد اور اس میں قیام کو مستحب ثابت کیا گیا ہے۔ الناظر پریس لکھنؤ سے شائع ہوچکی ہے۔

۸۔ خیر النواھی عن ارتکاب الملاھی ــــ یہ رسالہ اردو میں ہے جس میں غنا کو آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ اور براہینِ قطعیہ سے حرام ثابت کیا گیا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی بار شائع ہوا پھر اس کے بعد متعدد ایڈیشن بھی شائع ہوئے۔

۹۔ الاغناء فی تحریم الغناء ــــ یہ رسالہ بھی اردو میں ہے جس میں آیاتِ قرآنیہ سے غنا کی حرمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کئی بار شائع ہوچکا ہے۔

۱۰۔ التحقیقات الوثیقہ فی لبعض مایتعلق بالعقیقہ ــــ اس رسالہ میں عقیقہ کی اہمیت اور اس کے ضروری مسائل کا ذکر ہے۔ شائع ہوچکا ہے۔

۱۱۔ فتویٰ جماعت نماز تہجد در ماہ رمضان ــــ رمضان المبارک میں نماز تہجد باجماعت ادا کرنے اور اس میں قرآن پاک سننے کو حوالہ کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ آپ خود بھی اپنی زندگی میں اس پر عامل تھے۔ یہ رسالہ بھی شائع ہوچکا ہے۔

وفات مولانا کی پوری زندگی اخفا میں گذری اسی طرح ان کی موت بھی بہت عرصہ تک عجیب وغریب معمہ بنی رہی، لبعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی موت کا سبب یہ ہوا کہ ایک ایرانی عالم سید اسد اللہ نجفی ان سے ملنے کے لئے آئے اور عربی میں کچھ معرفت اور فنا کے اشعار سنائے جس کو سنتے ہی مولانا پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور اسی عالم میں آپ کا وصال ہوگیا۔

لیکن لکھنؤ کے ثقہ اور باخبر حلقوں کی رائے اس سے مختلف ہے، وہ موت کا سبب یہ واقعہ نہیں بیان کرتے۔ اس سلسلہ میں ہم مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کی رائے پیش

کرتے ہیں جو مولانا مرحوم کے بہت قریبی اور خصوصی شاگرد تھے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

"۳ رجب یوم چہارشنبہ کو بعد نماز عصر حضرت مرحوم کا انتقال ہوگیا، کئی سال سے حوالی قلب میں درد کا دورہ ہوتا تھا جو اب کچھ دنوں سے جلد جلد ہونے لگا تھا اور بعض اوقات تو دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں کسی وقت یہ درد مفارقت نہ کرتا تھا۔"

آگے چل کر مزید یہ فرماتے ہیں:

"عوام میں عجائب پرستی کا مادہ بوجہ جہل کے زیادہ ہے اس لئے عجیب عجیب اسباب بیان کئے جاتے ہیں، آخر وقت میں کچھ عجمی لوگ آگئے تھے انھوں نے حضرت مرحوم کے سامنے کچھ عربی کے اشعار یا کوئی عربی عبارت نثر کی پڑھی تھی۔ اس واقعہ کو ایسے طریقہ سے شہرت دی جارہی ہے کہ گویا سبب موت یہی ہے اور بھی اس قسم کی بہت سی باتیں مشہور کی جاتی ہیں[1]۔"

مولانا لکھنوی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ موت کا اصل سبب مرض تھا کوئی اور وجہ نہ تھی۔ بہرکیف ۳ رجب ۱۳۴۳ھ کو مولانا سید عین القضاۃ صاحب رح کا ۸۷ سال کی عمر میں وصال ہوگیا اور مدرسہ فرقانیہ چوک لکھنؤ کے چمن میں مدفون ہوئے۔

مولانا کے تلامذہ مولانا کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے کیونکہ آپ نے اپنی ساری زندگی درس و تدریس میں ہی گذاری، ہم یہاں صرف اُن شاگردوں کے نام لکھیں گے جو خود بھی صاحب تصنیف و تالیف ہوئے ہیں اور آج ان کے بھی ہزاروں شاگرد اور مرید ہیں۔

۱۔ امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی سابق مدیر النجم لکھنؤ

---

[1] ماہنامہ النجم لکھنؤ، جمادی الاول ۱۳۴۳ھ ص ۳

۲۔ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی سابق مہتمم مدرسہ نظامیہ لکھنؤ
۳۔ شمس العلماء مولوی عبدالمجید صاحب فرنگی محلیؒ سابق پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی
۴۔ شمس العلماء، مولوی عبدالحمید صاحب فرنگی محلیؒ بانی مدرسہ قدیمہ لکھنؤ
۵۔ مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلیؒ خویش مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ
۶۔ مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محلیؒ مہاجر مدنی
۷۔ مولوی عبدالہادی صاحب فرنگی محلیؒ نبیرہ ملا مبین شارح سُلّم
۸۔ مولوی عظمت اللہ صاحب فرنگی محلیؒ
۹۔ حکیم خواجہ کمال الدین صاحب
۱۰۔ حکیم سید احمد حسن صاحبؒ
۱۱۔ حکیم وہاج الحق صاحب فرنگی محلی رح ــــــ اور

اردو کے مشہور و معروف شاعر جناب مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے جن کے متعلق اکبرؔ مرحوم نے کہا تھا ؎

سخن میں اور تو اہلِ تمیز ہی ہیں فقط
شہیدِ جلوۂ معنی عزیزؔ ہی ہیں فقط

گزارش

خریداری برہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلہ میں خط و کتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں تاکہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ اس وقت بے حد دشواری ہوتی ہے جب ایسے موقعہ پر آپ صرف نام لکھنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ (مینجر)